(لندن) کے موجودہ ڈائریکٹر رے ٹال مین کی اطلاع ہے کہ الجزائر اور مصر میں جہاں مسلم بنیاد پرست تنظیمیں آمرانہ حکومتوں کے لیے سخت چیلنج بنی ہوئی ہیں، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں اسلام سے حلقۂ مسیحیت میں آنے والوں کی تعداد ماضی کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔

[مذکورہ بالا کامیابیوں کے باوجود] فِل پارشل مسیحیوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ اسلام کی قائم رہنے والی طاقت کو معمولی نہ خیال کریں۔ فِل پارشل ایک مشنری ہیں جنھوں نے طویل عرصے تک مسلمانوں میں کام کیا ہے اور اسلام پر پانچ کتابوں کے مصنّف ہیں۔ "میں یہ بے حقیقت دعویٰ آئے دن پڑھتا رہتا ہوں کہ بائبل عنقریب اسلام کو مکمل طور پر شکست دے دے گی۔ ہمیں اِس بے بنیاد مسیحی فتح مندی کے بارے میں محتاط ہونا چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یقین رکھنا چاہیے کہ ہمارا خداوند خدا اس بات پر قادر ہے کہ تاریخی عمل میں مداخلت کرے اور مسلمانوں کو حلقۂ مسیحیت میں لانے میں بڑی کامیابی عطا کرے"۔

فِل پارشل کا مشورہ ذہن میں رکھتے ہوئے، مختلف علاقوں کی مقامی مسیحی آبادی اور مشنری مسلم دُنیا میں اپنے بالفعل مسیحی بھائیوں اور بہنوں کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے متعدّد ذرائع اختیار کیے ہوئے ہیں۔ [بائبل کی تقسیم، امداد اور ترقیاتی کاموں، نیز ریڈیو اسٹیشنوں کے ذریعے مسلمانوں کو اپیل کیا جا رہا ہے۔] "الائنس تھیولاجیکل سیمینری" (نیویارک) میں الہیات کے پروفیسر، ٹائٹ ٹیئنو کی اطلاع ہے کہ مغربی افریقہ میں برکینا فاسو کے متعدّد مولوی عربی زبان میں بائبل پڑھ کر حلقۂ مسیحیت میں شامل ہوئے ہیں۔

جب تک مسلمان غربت و افلاس اور مصائب کا شکار ہیں، انسانی ہمدردی کی بنیاد پر انہیں مہیا کی جانے والی مسیحی امداد کے ساتھ مسیحیت کی دعوت شامل ہے اور حضرت مسیح کے مذہب کے لیے مسلمانوں کے دروازے کھلتے رہیں گے۔ مالی میں موسمی تبدیلیوں کے نتیجے میں چراگاہیں اور قابلِ کاشت زمینیں بنجر ہو رہی ہیں اور مسلمان گلہ بان اور کسان اپنی زمینیں چھوڑنے پر مجبور ہیں۔ اِس صورتِ حال میں مقامی مسیحیوں اور بیرونی ایجنسیوں کی امدادی کاوشوں سے مسیحی تبشیری کام آگے بڑھا ہے۔ کنساس (سوری) میں قائم "گاسپل مشنری یونین" کے شعبۂ افریقہ و یورپ کے نائب صدر جناب جم ٹیلر کی اطلاع کے مطابق ۱۹۸۰ء میں مالی میں چالیس چرچ تھے اور مسیحی آبادی صرف چھ ہزار تھی، مگر آج بائیس ہزار مسیحی، تین سو جگہ اجتماعی عبادت میں شریک ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مالی میں اب مسیحیت کا ایک نفیس حلقہ ہے۔

مکالمہ

مذہب بہ مذہب: "عشرۂ اشاعتِ انجیل" پر ایک مسلمان کے تاثرات

[برمنگھم (برطانیہ) میں مقیم جناب اے - بی - بوہیب کافی عرصے سے مکالمہ بین المذاہب کی تحریک سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ عشرۂ اشاعتِ انجیل "انسٹی ٹیوٹ آف مسلم مائناریٹی افیئرز" کے شش ماہی مجلے میں شائع شدہ اُن کے تاثرات کا ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ مدیر]

ہزارۂ دوم کا آخری عشرہ گزر رہا ہے۔ اِس کے ساتھ ہزار سال کے عرصے میں جو کام رہ گیا ہے، اِسے انجام دینے کا احساس اور انجیلی بشارت کے عام کرنے کی خواہش بڑھ گئی ہے۔ اب جو وقت

اقوما نیت اور اشاعت انجیل کے لیے ہے، وہی ماضی کے گناہوں کے اقرار اور بطور تلافی [فکر و اظہار] کے بدلنے کا ہے۔ یہ مقصد ذہن میں رکھتے ہوئے مرکز برائے مطالعۂ اسلام و مسلم ۔ مسیحی تعلقات (سیلی اوک کالجز ۔ برمنگھم ۔ انگلستان) نے اشاعتِ انجیل کے موضوع پر مذہب بہ مذہب (Faith to Faith) کے زیرِ عنوان ایک سہ طرفہ بین المذاہب مباحثے کا اہتمام کیا۔

عنوان "مذہب بہ مذہب" موقع و محل کے حوالے سے ایک تعبیر کا حامل ہے اور لوگوں کے متنوع تجربوں کی بابت ہے جو اُنہیں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلے میں پیش آتے ہیں۔ عنوان اپنے حتمی دائرۂ اثر میں تعلق کے تجربی حقائق کے بجائے تعلقات میں مثالی روّیوں کی بابت ہے۔ یہ معیارات قائم کرتا ہے کہ ایک مذہب کے ماننے والے کا تعلق دوسرے مذاہب کے لوگوں سے کیسا ہونا چاہیے، قطع نظر اس بات سے کہ اُن کے تعلقات حقیقتاً کیسے ہیں۔ تاہم مختلف مذہبوں کے ماننے والوں کے درمیان روابط کی موجودہ حالت کے اسباب کا جائزہ لیے بغیر اُن کے مثالی باہمی روابط کی تلاش بمشکل ہی ثمر آور ہو سکتی ہے۔ ہم دوسروں کے ساتھ ربط رکھتے ہیں، اِس کا انحصار بحیثیت مجموعی دوسرے کے بارے میں ہمارے احساس پر ہے۔

مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے باہمی روابط کا مسئلہ درحقیقت باہمی اعتماد یا اِس کی کمی اور محرکات کا مسئلہ ہے۔ مذکورہ بالا معنوں میں ماضی میں مذہب بہ مذہب میل جول اور روابط نہ تو مکمل طور پر بے غرضانہ تھے اور نہ حقیقتاً پیشہ ورانہ ـــــ زیادہ واضح لفظوں میں اِس طرز کے مباحثے بالعموم "تعلقات کیوں؟" کا سوال نظر انداز کرتے ہیں۔

اس موقع پر میں اختصار سے بیان کرنا پسند کروں گا کہ عنوان "مذہب بہ مذہب" کیا تجویز کرتا ہے اور کیا تجویز نہیں کرتا۔

اولاً عنوان یہ تجویز نہیں کرتا کہ دُنیا میں صرف اور صرف ایک مذہب یعنی مسیحیت ہے۔ ثانیاً عنوان یہ نہیں کہتا کہ مسلمان سے مراد وحشی اور غیر مہذب لوگ ہیں جو انسانی سلوک کے قابل نہیں، بالخصوص اگر وہ سامی النسل ہیں۔

اس کے ساتھ عنوان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ ہمیں اپنے دلوں کو کھنگالنے کی دعوت دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہم خدا کے نام پر یہود، مسیحی اور مسلمان کے طور کیوں پہچانے جائیں جب کہ جن مذاہب کو ہم بڑے فخر سے نظریاتی طور پر بیان کرتے ہیں، ان سے ہمارا عمل بہت مختلف ہے۔

بین المذاہب تعلقات کے بارے میں خود احتسابی کی یہ روایت اپنائی جائے تو آپس کے تناؤ اور تنازع کا الزام مذاہب کی کسی تعلیم کے بجائے براہِ راست ہم پر عائد ہوتا ہے۔

ہمارا اوّلین فرض یہ ہے کہ بد قسمت بگڑے ہوئے اور محروم لوگوں کو "بشارت" پہنچانے کے بجائے اپنے مذاہب کے وفادار رہوں۔ اِس حقیقت کا تسلیم کرنا "خدا کی بادشاہت" کی جانب پہلا قدم ہو

گا جس کے قیام کی خاطر ہم پوری مستعدی سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہماری مقدّس کتابوں کی رُو سے ہمارا اوّلین مشن خود ہماری ذات کے لیے ہے۔ اپنے اپنے مذاہب سے ہماری حد سے بڑھی ہوئی وفاداریاں - چاہے وہ کتنی ہی اچھی اور نیک نیتی پر مبنی کیوں نہ ہوں، جن کا اظہار بے روک شوق اور بے قابو جوش سے ہوتا ہے، ہمارے مقصد کے خلاف ہیں۔

ایسے حالات میں جہاں ایک سے دوسرے سے غیر متجانس ثقافتی پس منظر، نظریہَ حیات، مذہب اور نسب رکھنے والے لوگ ہوں، ہمیں متصادم احساسات اور تناظروں سے پالا پڑتا ہے اور یہ احساسات اکثر و بیشتر ہمارے احساسات کے خلاف اور شاذ ہی ان سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ان پر مستزاد مسلمانوں، مسیحیوں اور یہود کے درمیان بین المذاہب میل جول کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ ان میں ایک دوسرے کے مذہب اور عقائد کے بارے میں پہلے سے جمے ہوئے تصورات اور غیر صحیح تأثرات موجود ہیں جو ناقص اطلاعات رکھنے والے ذرائع کی پھیلائی ہوئی افواہوں پر مبنی ہیں۔

جب تک مذاہب کی برادری اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتی، حقیقی ہم آہنگی کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ اگر متعین مسائل کے صحیح اور غلط پہلوؤں کو ہمارے مذاہب دیکھنے نہیں دیتے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ غلطیوں پر ہم زبان کھول سکیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم غلط مذاہب کا دفاع کر رہے ہیں یا اُن مذاہب کے نام پر ہم نے غلط سلط نظام قائم کر رکھے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میل جول کے موثر ذریعے کے طور پر دوسروں کے پس منظر کو جاننے کی مخلصانہ کوشش کے ساتھ ساتھ، بحیثیت اہل مذہب یہ ہمارا فرض ہے کہ اپنے مذہب کے بارے میں دوسرے کی غیر صحیح رائے کی غلطی واضح کریں۔

میں اپنے بیان کا خاتمہ بین المذاہب روابط کے قرآنی تناظر کے حوالے پر ختم کرتا ہوں۔ دوسرے مذاہب کے بالمقابل کس طرح کا عمل ہو، قرآن اس سلسلے میں احکام کا چوکھٹا مہیا کرتا ہے۔ ذیل میں جو آیات دی جارہی ہیں، یہ نہ صرف مسلمان کا طرزِ عمل طے کرتی ہیں، بلکہ عوائد مرسمی کا ایک ضابطہ ہیں اور یہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ کے بامروّت مباحثے کی حدود متعین کرتی ہیں۔ برادر مذاہب کے ماننے والوں جنھیں قرآن مجید اہل کتاب کہتا ہے، کے ساتھ مکالمے کا حتماً مجوّزہ ایجنڈا ہے جس سے باہر کسی دلیل کی مزاحمت پر مسلمان اپنے کو مجبور پاتا ہے۔ [قرآن مجید کی ان آیات کی روشنی میں] ایسی کوئی ضرورت نہیں، نہ جارحانہ وفاداریوں کے مطالبات ہیں اور نہ پُرزور احکام ہیں کہ لوگوں کو صرف اس لیے اپنے مذاہب ترک کرنے کی ترغیب دی جائے کہ وہ ایک مختلف نظام پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اسلام دوسرے مذاہب کی اصلیت تسلیم کرتا ہے اور ان کے ماننے والوں کو "نجات" کا یقین دلاتا ہے بشرطیکہ وہ خدا اور روزِ جزاء پر ایمان رکھتے ہوں اور اچھے عمل کرتے ہوں۔[1]

اس لیے ایک مسلمان دوسروں کے مذہب تبدیل کرنے کے عمل میں شامل نہیں بلکہ وہ امن

اور ہم آہنگی کا متلاشی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے[2]۔

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ (قرآن ۲:۲۵۶)

تمہارے لیے تمہاری راہ اور میرے لیے میری راہ۔ (قرآن ۱۰۹:۶)

اور تم لوگ اہلِ کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کیا کرو، مگر ہاں ایسے طریقے پر جو طریقہ بہترین ہو۔ (قرآن ۲۹:۴۶)

۲۶ جون ۱۹۷۶ء کو ورلڈ کونسل آف چرچز نے جنیوا میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں دُنیا بھر کے مسلم اور مسیحی مندوبین نے شرکت کی۔ دو مخالف مذاہب کے رہنماؤں کا یہ ایک ایسا اجتماع تھا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ لوگ اس لیے یک جا ہوئے تھے کہ باہم تبادلۂ خیال کریں، ایک دوسرے کی تبدیلیٔ مذہب کی کوششوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور مخالف کا مذہب تبدیل کرنے کے عمل میں اپنی زیادتیوں کو کسی لیت و لعل کے بغیر تسلیم کریں۔ اُنہوں نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ جن معاملات میں مصالحت کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی، اُن کی اپنی اپنی مختلف آراء ہوں گی، نیز "مشن" اور "دعوۃ و تبلیغ" کے ساتھ لگن اُن کے اپنے اپنے مذہب کا جزو لاینفک ہے۔

مذکورہ بالا اتفاق و اتحاد کے برعکس اس وقت سے اب تک جو واقعات پیش آئے ہیں، ان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کانفرنس سے کوئی دوررس تبدیلی نہیں آئی۔ مثال کے طور پر قابلِ جواز جنگ کا فرمان، مشرقِ وسطیٰ کے تنازعے میں طاقتور فریق کے سیاسی مقاصد کی خاطر "اعلیٰ ترین اتھارٹی" کے ایک بڑے معتمد کا کردار اور سلمان رشدی کے قضیے میں قریب قریب اخلاقی غیر جانب داری کا روّیہ عام آدمی کو حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے کہ پُر امید رہنے کی [واقعی] کوئی بنیاد ہے۔

اپنے نقطۂ نظر کو مایوسی کے اظہار پر ختم کرنے کے بجائے میں اپنے مسیحی دوستوں کو پولُوس کی نصیحت یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم سچائی کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ (۱۱- کرنتھیوں : ۱۳) بحیثیت مسلم میرا احساس ہے کہ سچائی کے لیے کام نہیں کیا گیا ہے، نہ کیا جا رہا ہے، اور جھوٹ موٹ سے کام ہو گا۔

آئیے! ہم اپنے مسیحی دوستوں کے جواب میں مسلمانوں کو یاد دلائیں کہ وہ قرآن مجید سے لاتعلقی برت رہے ہیں۔ میری رائے میں ایک دوسرے سے جوابی تعاون کا یہ انداز مشن کی روح ہے۔

حواشی

۱- جمہور علمائے اسلام اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے برصغیر پاکستان و ہند میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ایک ناقد کے افکار کے لیے دیکھیے: ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، دہلی: ساہتیہ اکیڈمی (۱۹۶۴ء)، جلد اوّل - محمد ابراہیم، میر سیالکوٹی تفسیر واضح البیان فی تفسیر ام القرآن، امرتسر: برقی ثنائی پریس (۱۹۳۵ء)۔

۲- آیات کا ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی کی تفسیر "کشف الرحمٰن" سے لیا گیا ہے۔